

ماضی اور حال کے قائدین

بسم الله الرحمن الرحيم

تھے تو آباوہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو ہاتھ پر ہاتھ دھڑے منتظرِ فردا ہو!

سلطنتِ مغلیہ کے سب سے عظیم قائد، عسکری جرنیل، اور درویشِ صفت بادشاہ، سلطانِ محی الدین محمد اور نگزیبِ عالم گیر غازی جب دارِ فانی سے کوچ کر گئے، اپنے پیچھے متحدہ برصغیر کی ایک وسیع و عریض سلطنت چھوڑ گئے۔ جس میں ہندوستان، پاکستان، افغانستان، کشمیر اور بنگلادیش شامل تھے۔ اپنی خداداد عسکری صلاحیتوں کی بنا پر ہی سلطانِ عالمگیر مملکتِ متحدہ ہندوستان کو وجود میں لاسکے اور اسے ہر داخلی اور خارجی حملے سے محفوظ رکھ سکے۔ یہاں تک کہ ان کے تینوں بھائیوں نے ان کے خلاف جب اعلانِ بغاوت کیا تو انہوں نے سبھی کی سرکوبی کی اور ریاستوں کو ٹوٹنے اور باغی ہونے سے ہمیشہ پرے رکھا۔

مگر ستمِ ظریفی دیکھیں کہ جب ان کا انتقال سن 1707ء میں ہوا، اس کے بعد پچھترے درپے ایسے قائدین کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ ڈور آئی کہ جنہیں اپنی سدھ بُد تھی نہ کوئی سیاسی شعور، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دو کو چھوڑ کر کسی کی بھی بادشاہت زیادہ وقت تک نہ ٹک سکی اور اسی طرح سلطنت کا شیرازہ بکھرتا رہا۔ آپ یقین جانیے کہ بادشاہِ عالمگیر کے انتقال یعنی سن 1707ء سے 1837ء لیکر تک پورے 130 سالوں میں 18 سلطان تخت نشین ہوئے مگر کسی کے بھی عسکری، تعمیری یا دینی کارنامے تاریخ میں رقم نہیں ہیں۔ اس کے بعد ایک وقت وہ بھی آیا کہ سلطنتِ مغلیہ کو ایک قابل اور لائق سلطان ملا بھی لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی، جب سلطان محمد بہادر شاہ ظفر غازی تخت نشین ہوئے، ان کے آباؤ اجداد، اس قدر عیش و عشرت میں سارا سرمایہ اڑا چکے تھے کہ تمام ریاستیں ٹوٹ چکی تھیں، اور سلطنتِ سمٹ کر دہلی تک محدود رہ گئی تھی۔ تاریخِ داں، اس آخری بادشاہ کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی غلطیوں کا ازالہ نہ کر سکے اور بالآخر سلطنتِ زوال پذیر ہو گئی۔

اب اگر ذرا غور کریں تو ماضی کی یہ داستان ہم سے چیخ-چیخ کر کچھ کہہ رہی ہے، ذرا کان لگا کر سنیں تو سہی! اور وہ پیغام بجز اس کے اور کیا ہے کہ جب زمام کار نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں آ جاتی ہے تو سلطنتیں زوال پذیر ہوتی ہیں! اتنی بات اگر ذہن میں جما-لی ہو تو یہ بھی سنیں کہ موجودہ حالات میں اس قدر تیزی سے اور خاص طور پر پچھلے پانچ سالوں میں اتنے علما، مشائخ اور مذہبی قائدین، دارفانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے کہ بس الامان والحفیظ! ہمارے دارالافتاء، منبر اور محراب ماتم گناں ہیں، کہ ان اجلہ عمائدین کی قلم کی جنبش، آواز کی سحر آفرینی اور جگر کا سوز محسوس کر سکیں۔۔۔ آہ! وہ درویش ہمارے بیچ اب نہ رہے! آہ! وہ مقدس اور پاکیزہ ہستیاں کس پردے میں جا چھپیں! قلم و سوز بیاں جن کا تھا مخلص ہر دم... وہ ملت کے ستارے تو غروب ہو گئے... پردہ فرما گئے... ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے... ہاں ان سب کا روحانی فیض باقی ہے، ان کا فیضان جاری ہے مگر اب جب امت پر مشکل وقت پڑے گا، باطل کی آنکھوں میں آنکھیں کون ڈالے گا؟ ہماری مذہبی رہنمائی کون کرے گا؟ اور ان کے جانے سے پیدا ہوئے خلا کو پُر کون کرے گا؟

اسی اثنا میں وہ سوال پیدا ہوتا ہے جو ہمیں بحیثیت ملت بہت پہلے اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے تھا؛ کیا ہم واقعی قائدین پیدا کر رہے ہیں؟ آپسی اختلافات میں اس قدر گھل چکے ہیں، اپنی نفسیات کے اس قدر زیر اثر آ چکے ہیں کہ ہمیں اس جہت دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔۔۔ مرے دوستوں وقت ہے کہ ہماری ملت کو نئے قائد پیدا کرنے کی ہوں گے... آج کے حالات کا اگر تجزیہ کریں تو جہاں بھی عمائدین دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں ان کے جانشین شاید بہت نیک لوگ ہیں، اچھی نیتیں رکھتے ہیں اور ملت کی خدمت بھی کرنا چاہتے ہیں پر سوال یہ ہے کہ کیا وہ اپنے آباؤ اجداد جیسی 20% بھی صلاحیتوں کے حامل ہیں؟ میں کوئی فیصلہ نہیں دے رہا اور نہ ہی اپنا Judgement دے رہا ہوں، صرف سوال کر رہا ہوں جو ہمارے بڑوں کو خود سے پوچھنا ہے اور ملت کو جواب دینا ہے!

اس بات کو بھی پرکھنے کی کسوٹی ہمارے ماضی میں چھپی ہے، ذرا اوپر ذکر کردہ اس سطر پر پھر سے نظر ڈالیں: ”پورے 130 سالوں میں 18 سلطان تخت نشین ہوئے مگر کسی کے بھی عسکری، تعمیری یا دینی

کارنامے تاریخ میں رقم نہیں ہیں “ شاید آپ کو اندازہ ہوا ہو کہ میں کس کسوٹی کی بات کر رہا ہوں؟ جی ہاں! کارنامے... یعنی کہ اہل اور نااہل کے بیچ کا فرق ہی یہ ہے کہ تخت پر صرف تخت نشین بننے کے لیے نہیں بیٹھا جاتا بلکہ اس کے لیے سلاطین جیسے معرکے بھی سر کرنے پڑتے ہیں، عسکری جرنیل بننے کے لیے میدان جنگ میں اترنا پڑتا ہے اور جان کی بازی لگانی پڑتی ہے۔۔۔ ٹھیک ویسے ہی میرے پیارے! کسی درویش کی مسند میراث میں نہیں ملتی... اس کے لیے فنا کی منزلیں طے کرنی ہوتی ہیں... معرفت کے جام پینے ہوتے ہیں، مراقبہ میں عمر گزارنی ہوتی ہے... اسی طرح عمائدین کا منبر بھی مفت میں نہیں ملتا... امام وقت ہونے کے لیے ویسی خدمات انجام دینی ہوتی ہیں، راستوں میں اتر کر، قوم کے بیچ رہ کر ان کے حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے فکر و نظر میں وہ بالیدگی پیدا کی جاتی ہے... ایئر کنڈیشن روم میں مجلسیں کر کے اور فائیسٹار ہوٹل سے بھی عمدہ حجرے میں بیٹھ کر پیغامات ارسال کرنے سے ملت کا درد کیسے دور ہو سکتا ہے؟ شاعر مشرق نے شاید یہی کچھ سوچا ہو گا جب انہوں نے یہ بات کہی۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر آزر ہو

پھر پسر قابل میراث پدر کیوں کر ہو!

پوری گفتگو کا عطر یہ ہے کہ، ہمارے قائدین جو تیزی سے رخصت ہو رہے ہیں ان کے بعد والوں کو اب یہ سوچنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے آبا کے مشن کو لیکر آگے نہیں بڑھ رہے... اگر خدمتِ ملت میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں کر رہے... مسند پہ صرف مسند نشین بننے کے لیے بیٹھے ہیں... تو وہ خود بھی اس ملت کے علمی، فکری اور قومی زوال کے کہیں نہ کہیں ذمہ دار ہیں... اور انہیں اگر کوئی نااہل کہہ بھی دے، تو اب وہ جانتے ہیں کہ اس کے ان جملوں کے پیچھے کون سے جذبات کار فرما ہیں... بڑا بننے کے لیے بڑے کام کرنے پڑتے ہیں... وراثت میں ملی ہوئی بڑائی زیادہ دن کی مہمان نہیں ہوتی... ذمہ داریوں کو پورا کریں اور فرض منصبی کا لحاظ رکھیں... تب ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے سچے جانشین ہیں۔۔۔ بس انہیں کلمات پر اپنی گفتگو ختم کروں گا کہ

خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاب

تا بد خشاں پھر وہی لعلِ گراں پیدا کرے
اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسلاف کا سچا جانشین بنائے اور مذہب و ملت کی خوب۔ خوب خدمت کرنے
کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العلمین بجاہ النبی الامین علیہ وآلہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم

۲ شوال المکرم ۱۴۴۲ھ۔ مطابق 15 مئی، 2021ء

فردین احمد خاں فردین رضوی

[پہلی بھیت شریف، یو۔ پی۔ الہند]